علم منطق ــــ ایک جائزہ

(۴)

ہندوستان

مولانا بدرالزماں نیپالی مرکزی دارالعلوم بنارس

ہندوستان کے بارے میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ یہاں کے علم و حکمت کو دیکھ کر اہل چین اسے ملک الحکمۃ کہا کرتے تھے، گویا اہل ہند نے عہد قدیم ہی میں منطق، فلسفہ، ہیئت، اور طب وغیرہ تمام علوم کے اندر اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ اسے سرچشمۂ علم کہا جانے لگا تھا، تاریخی دور کی ابتدا ہی سے ہمیں یہاں علمی سرگرمیوں میں ایک مخصوص قسم کا چڑھاؤ محسوس ہو رہا ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ فلسفیانہ مجلس قائم ہوتی تھیں۔ طرح طرح کے استدلالات کئے جاتے تھے اور دماغی کاوشیں کی جاتی تھیں، مذہبی لوگوں میں جس وقت اپنے مسلک کی ترویج واشاعت کا جوش نقطۂ عروج پر پہنچ چکا ہو، ایسے وقت میں فلسفیانہ تحریکیں اپنے موقف کی توضیح و تشریح کو مکمل کئے بغیر بھلا کب چین لے سکتی ہیں۔ جب کہ فلسفی اور منطقی جیسے حساس، نباض اور وقت کے رُخ کو سمجھنے والے کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم بدھ مت کے عروج و ارتقاء کے دور پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی دور میں علم منطق کو نہایت ہی مہذب طریقے پر ارسطوی منطق سے پہلے ہی پیش کیا جاچکا تھا۔

" سکندر مقدونی (۳۲۳ ق م) نے جس وقت ہندوستان پر حملہ کیا، اس وقت یہاں علوم فلسفہ اور منطق کو مرتب کر لیا گیا تھا، اس کی تفصیل کے لئے نہایت الارب ج ۱۵

صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۸ طبع مصر ۱۹۶۳ء قابل مطالعہ ہے۔ "سکندر" اور ہندوستانی بادشاہ "کنگ کانگ" کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے بڑی تفصیل کے ساتھ شہاب الدین نویری (۶۷۷ تا ۷۳۳ ھ) نے مذکورہ کتاب میں "عبدالملک بن عبدون" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اسی کا ایک جزو ہمارے بحث سے متعلق ہے۔

انھوں نے نقل کیا ہے کہ جب "سکندر" (۳۲۳ ق م) نے ہندوستان کے سرحدی علاقوں کو راجہ بلہرا " فور" کے قتل کر دینے کے بعد مکمل طور پر زیر اثر کر لیا، تو سنا کہ ہندوستان کے آخری سرے پر ایک عظیم الشان بادشاہ "کنگ کانگ" نامی حکومت کر رہا ہے، اور وہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا فلسفی اور دانش مند ہے تو اس کے پاس صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے قاصد بھیجا، اور سخت تہدیدی خط لکھا، جس کی وجہ سے راجہ نے اطاعت قبول کر لی، اور ایک ایسے فلسفی کا پتہ بتایا جس کا اس کے دربار میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ سکندر نے اپنے حکما، اور فلاسفہ کو جو اس کے پاس ہر وقت موجود رہتے تھے راجہ کے پاس بھیجا۔ راجہ نے ایک مجلس منعقد کی تاکہ انھیں یہ بتائے کہ ہمارے یہاں فلسفیانہ علوم کس حد تک ترقی پا چکے ہیں۔ اور وہ کتنے اصولیات و فروعیات پر مشتمل ہیں، پھر خطاب کرتے ہوئے اپنے فلسفیانہ علوم کو نہایت مرکز طریقہ پر چار قسموں میں بانٹ دیا۔

پہلا ریاضیات، دوسرا منطقیات، تیسرا طبیعیات اور چوتھا الٰہیات۔ پھر ہر ایک کے انواع و اقسام پر مکمل تبصرہ کیا۔ علم منطق پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ علم منطق کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ شعر، ۲۔ خطابت، ۳۔ جدل، ۴۔ برہان، ۵۔ مغالطہ۔

یہ خبر جب سکندر کو پہنچی تو وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس قوم نے علم کے اوپر اتنی دسترس کیونکر حاصل کر رکھی ہے، وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس کے استاذ "ارسطو" (۳۲۲ ق م) جیسا مفکر، فلسفی اور منطقی کوئی نہیں، اور علوم عقلیہ سو استنباط میں اس سے زیادہ کوئی ماہر نہیں۔ لیکن اتنے مرتب شکل میں تمام علوم عقلیہ کو سمیٹ لینا اور ہر ایک کی قسم

دو قسم کا پتہ چلا لینا ضرور کسی زبردست قوتِ استخراج کی نشان دہی کرتا ہے، اس کی وجہ سے وہ سراپا تعجب بن گیا۔

بہر حال یہ اس وقت کی بات ہے جب اکثر قومیں علم منطق کا پتہ لگانے میں اپنی ساری ذہنی طاقتیں صرف کر رہی تھیں اور ان میں سے بعض کو اسی دور میں کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں عہدِ قدیم ہی سے بہت سے فلسفیانہ اسکول اور مذاہبِ فکر موجود تھے۔ جن میں سے بعض کا فلسفہ محض مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا، اور بعض کو مذہب سے جدا تو نہیں کہہ سکتے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فرقہ مذہبی پہلو کے علاوہ خالص علمی اور فکری پہلو کو اپنے بحث میں شامل کرتا ہے۔

عہدِ قدیم میں ہندو فلسفیانہ اسکول چھ تھے جن کا تذکرہ رائے بہادر راو جہا اور اے وی احمد نے اس طرح کیا ہے:

۱۔ پہلا میمانسا (علم شریعت) جس کی بنیاد مہرشی "جیمنی" نے رکھی تھی۔

۲۔ پچھلا میمانسا یا ویدانت (علم توحید) جس کے بانی "بیاس جی" تھے۔

۳۔ نیائے (علم منطق) یا گوتم کا منطقی فرقہ۔

۴۔ ویشیشک، کناد کے علم ذرات (مفردات) کا اسکول (مکتبہ فکر)۔

۵۔ سانکھیا یا کپل کا دہریہ اسکول۔

۶۔ یوگ یا پتنجلی کا خدا پرست فرقہ۔

ان میں سے ہر ایک کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ تمام کے بارے میں کچھ لکھنا ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، اس لئے ہم صرف "گوتم" اور "کناد" کے منطقی فرقوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

ہندوستان کے برہمنوں نے علم منطق پر بڑی زبردست قسم کی توجہ کی تھی جس کی وجہ سے ان کے یہاں بہت بڑے بڑے منطقیوں نے جنم لیا۔ اور انھوں نے بہت سی منطقی تصنیفات تیار

کر ڈالیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف طرز فکر کے بہت سے منطقی فرقے پیدا ہو گئے، لیکن تمام فرقوں کے نظریات "گوتم" کے بنائے ہوئے مذہب "نیائے" اور "کناد" کے بنائے ہوئے مذہب ویشیشک سے ماخوذ ہیں، اور یہ دونوں فرقے بعض چیزوں میں متحد ہیں۔ البتہ بعض میں ایک، دوسرے سے کچھ آگے نکل جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اصول میں "نیائے" کہنے سے دونوں ہی مراد ہوتے ہیں۔ کیونکہ "گوتم" کے "نیائے" میں "استدلال" کا رنگ غالب ہے اور "کناد" کے "ویشیشک" میں "مجردات" کا۔

ایشور (خدا) روح اور دنیا وغیرہ کے متعلق دونوں کے اصول ایک ہیں۔ "نیائے" میں بالخصوص "طرز استدلال" اور "دلیل" کی تحقیق کی گئی ہے لیکن "ویشیشک" میں اس سے دو قدم آگے بڑھ کر "دربوں" (مفردات) کا انکشاف کیا گیا ہے[۳]

"کناد" کا "ویشیشک" وہ ہے جس میں مجردات اور عناصر کی تحقیق ہو[۴]۔ اُس کے فرقہ "ویشیشک" کی منطق میں ان حالتوں کا شمار چھ ہے جن کا ترجمہ "منقولات (پدارتھ)" کیا گیا ہے۔ یعنی مجردات (درویہ) صفت (گن) حرکت (کرم) کلیت، جنسیت اور اتحاد۔ لیکن بعض لوگوں نے زمانہ مابعد میں ساتویں حالت (پدارتھ) بھی مان لیا ہے۔ اور وہ نیستی یا مصیبت ہے[۵]

گوتم کا "نیائے" فلسفہ کے اس شعبہ کو کہتے ہیں جس میں کسی شے کا حقیقی علم حاصل کرنے کے لئے استدلال کی صورتیں قائم کی گئی ہوں[۶]۔ اس کے فرقے "نیائے" کی تجنیس بمقابلہ کناد کے فرقے کے بہت زیادہ کامل اور قرین فہم ہے[۷]

"تجنیس" کے تقریری مراتب کو اس طرح تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ تقریر کے مراتب کی تقسیم اوّل، سولہ عنوانوں یا درجوں میں کی گئی ہے۔ (۱) دلیل (۲) وہ اشیاء جو معلوم اور ثابت کی جائیں (۳) شک (۴) علت (۵) مثال (۶) مشتبہ حقیقت (۷) ایک باقاعدہ تقریر یا قضیہ (۸) وہ تقریر جس سے بے ہودہ پن ثابت کیا جائے (۹) تعیین یا تحقیق (۱۰) مقدمہ (۱۱) مناظرہ (۱۲) اعتراض (۱۳) دلیل فاسد (۱۴) انحراف (۱۵) تذلیل (۱۶) تردید۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تقسیم در تقسیم کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

اس تقسیم کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ زیادہ تر معقول و بالترتیب ہے اور اول: یعنی دلیل کے چار اقسام ہیں (۱) بدیہہ (پرتیکش) (۲) قیاس (انومان) (۳) تقابل (اُپما) (۴) مقولہ یا شہادت (شبد) اور دلیل کے ان اقسام چارگانہ میں سے پہلی قسم یعنی بدیہہ کی دلیل بزرگوں کے اقوال ہیں۔ معنوی امور کی دلیل وید ہیں۔ اور وید منجانب خدا مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے مقولات (فرمودات) ہمیشہ مستند اور صادق ہیں۔

دوسری قسم: یعنی قیاس تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک صغریٰ جس میں علت سے معلول معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا کبریٰ جس میں معلول سے علت دریافت ہوتی ہے۔ اور تیسرا مماثل۔ اور ثانی جو اشیاء ثابت کی جاتی ہیں، وہ بارہ[۱۲] ہیں۔ ۱۔ روح (آتما) ۲۔ جسم (شریر) ۳۔ اس خمسہ و قوائے ذہنیہ (اندریاں) ۴۔ محسوسات ۵۔ قوت مدرکہ ۶۔ ارادہ، ۷۔ سرعت ۸۔ خطا، ۹۔ تناسخ، ۱۰۔ اعمال کا ثمرہ، ۱۱۔ تکلیف، ۱۲۔ موکش یعنی نجات۔

روح پہلی شئے ہے جو قابلِ اثبات ہے۔ اس کی چودہ[۱۴] صفات ہیں۔

۱۔ تعداد ۲۔ مقدار ۳۔ کثرت ۴۔ وصل ۶۔ علم ادراک ۷۔ رنج ۸۔ راحت ۹۔ خواہش ۱۰۔ نفرت ۱۱۔ ارادہ ۱۲۔ لیاقت ۱۳۔ نالیاقتی ۱۴۔ قوت متخیلہ۔ جسم، روح کے بعد دوسری ثابت ہونے والی شئے ہے اس کی بحث و تشریح زیادہ وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے۔ مگر بعض باتیں جو علم طبعیات سے تعلق رکھتی ہیں اس میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس کے بعد آلات حس (حواس خمسہ و قوائے ذہنیہ) ہیں۔ ان کا مخرج (گوتمی فرقہ نے) سانکھیا فرقے کے مثل "معرفت" کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ اسی فرقے کے مثل آلات کو اندرونی چھٹے حس کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ لیکن پانچ آلاتِ حرکت کا فرق علیحدہ نہیں کیا گیا ہے۔ جن کے شمار سے سانکھیا فرقے نے حس کے گیارہ[۱۱] آلات قائم کئے ہیں۔ پھر محسوسات ہیں جن کو (گوتم کے فرقے نے) ان اصطلاحات میں شامل کیا ہے۔ جن میں "کناد" کے فرقے نے حالتوں کا شمار کیا ہے[۶]۔ گوتمی فرقے کے ان منطقی نظریات کو

سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ " دنیائے شاستر" جس کا مصنف گوتم ہے۔ اور جس کی شرح کا بیان آگے آرہا ہے محض منطق نہیں ہے۔ بلکہ پر میوؤں (وہ اشیاء جو ثابت کی جائیں) سے بحث کرنیوالا فلسفہ ہے۔ مغربی منطق (LOGIC) سے اسے کوئی نسبت نہیں ہے۔[9] لیکن اس کا مطلب نہیں کہ یہ منطق نہیں ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ مغربی منطق اور ہندوستانی منطق میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ مقام اور درجہ ہے۔ اور ہندوستانی منطق مغربی منطق کی رہینِ منت نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس منطق میں فلسفہ کی آمیزش واضح طور پر پائی جاتی ہے۔

ہم اس سے پہلے دکھا چکے ہیں کہ ہندوستانی منطق ارسطو کی منطق کے وجود میں آنے سے پہلے ہی مرتب شکل اختیار کر چکی تھی۔ یا کم از کم ہندوستانی منطق کا وجود ارسطو کی منطق سے پیچھے نہیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی زمانے میں وجود پذیر ہوئیں۔ اس لئے ہندوستانی منطق کا مغربی منطق سے غیر متاثر ہونا متیقن ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود فکری قوتوں اور فطری طبیعتوں کی یکسانیت کی بناء پر عین ممکن ہے کہ بہت سی قوموں کی ذہنی اپج اکثر یا بعض مسائل میں باہم مشابہ ہو جائیں۔

چنانچہ وہ فرقہ جو اپنے منطقی مکتبۂ فکر کی بنیاد ایسے مسائل پر رکھتا ہے جو گوتم اور کناد دونوں فرقوں کے افکار کے اوپر نظر ڈالنے سے حاصل ہوئے ہیں، جب اس کے مسائل کا مقابلہ ارسطو کے منطقی مسائل سے کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ تجنیس، ترکیب اور ترتیب پر توجہ کرنے اور ایک بے ڈھنگا اور بد اسلوب قضیہ، پانچ مراتب کا، جن میں سے دو بالکل بے کار ہیں۔ قائم کرنے میں ارسطو کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اسی طرح فرقہ کناد کی منطق کے اندر جن چھ حالتوں کا ذکر ہو چکا ہے ان میں سے تین حالتیں ارسطو کے نزدیک حالتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اس کے سوا ارسطو نے اور جو سات حالتیں قرار دی ہیں وہ متروک ہیں۔

جن مضامین پر ہندوؤں کے مذکورالصدر دونوں فرقوں نے بحث کی ہے اکثر ان میں سے وہی ہیں جن پر ارسطو نے بحث کی ہے۔ مثلاً حواس، عناصر، روح اور اس کی مختلف قوتیں، زمانہ، خدا وغیرہ۔ ہاں البتہ بیشتر مضامین جو ارسطو کے نزدیک اوّل درجہ کے ضروری ہیں،

ہندوؤں سے رہ گئے ہیں اور وہ مشہور ترین تطابق جو ہندوؤں اور یونانیوں میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ ہندوؤں کے کل فرقے حواس خمسہ پر ایک اندرونی حس (جسے وہ ارادہ کہتے ہیں) کا اضافہ کرتے ہیں۔ جو باقی پانچوں حواس پر قبضہ رکھتی ہے، یہ ارسطو کے اس حس سے مطابقت تام رکھتی ہے جس کو وہ "عام حس" یا "اندرونی حس" کہتا ہے مثلاً یہ ہندوؤں کے دو اہم فرقوں کا جائزہ ہے جو ہمارے اس دور میں بڑے پیمانے پر اپنا کام کر رہے تھے۔ یوں تو منطق کی بہت ساری شاخیں موجود تھیں۔ لیکن دراصل ان کے نظریات انھیں دونوں فرقوں کے نظریات ہوتے تھے۔ یا ان سے ماخوذ ہوتے تھے۔ اور معمولی ترمیم کے ساتھ ان سے مسائل کا استنباط کر لیا جاتا تھا۔ ان بہت سی شاخوں کے علاوہ بدھی اور جینی مکاتب فکر بھی تھے جن میں بہت زیادہ سرگرمی کے ساتھ منطق کی خدمت انجام دی جا رہی تھی۔ ہمارے اس دور کے اخیر یعنی چھٹی صدی عیسوی میں بودھ اور جین علماء نے "نیائے شاستر" پر ایک نئے ڈھنگ سے غور و فکر شروع کر دیا تھا۔ اس کا ذکر دوسرے دور میں آرہا ہے۔ البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "نالندہ" اور "تکشلا" جیسے اہم مدرسوں کا ذکر کر دیا جائے۔ جہاں تمام علوم و فنون کے ساتھ منطق میں بھی فضیلت کی ڈگری دی جاتی تھی۔ اور اچھی قابلیت اور صلاحیت کا آدمی بنانے کے لئے منطق کی تعلیم دی جاتی تھی۔

جامعہ تکشلا کے بارے میں رائے بہادر ہیرا چند او جھا نے لکھا ہے کہ "ہندوستان میں تکشلا کا جامعہ سب سے قدیم تھا، پتنجلی، چانکیہ اور جیوک جیسے نامور علماء یہیں کے طالب علم اور اتالیق تھے۔ سب سے عظیم الشان بھی یہی ادارہ تھا۔ اس میں داخلہ کے لئے ۱۶ سال کی عمر کی قید تھی۔ .... مختلف جاتکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا نصاب تعلیم بہت وسیع تھا۔ اس میں کچھ مضمون یہ ہیں:- وید، اٹھارہ علوم (پتہ نہیں یہ کون سے علوم تھے) دیاکرن صناعی، فن حرب، ہاتھ کا علم، منتروں کا علم اور علم شفا ہے"

اس جگہ صراحت کے ساتھ یہ مذکور نہیں ہے کہ یہاں علم منطق کی تعلیم ہوتی تھی، پھر بھی یہ پورے

وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ منطق کی صرف رسمی تعلیم نہیں ہوتی رہی ہوگی۔ بلکہ اس میں کمال حاصل کئے بغیر دوسرے علوم وفنون میں دستارِ فضیلت ہی نہیں دی جاتی رہی ہوگی، کیونکہ اتنی عظیم الشان یونیورسٹی میں ایسے مشہور ومعروف علم کا نہ پڑھایا جانا ذرا کم ہی سمجھ میں آتا ہے، جب کہ اس سے چھوٹے مدارس میں منطق کی اعلیٰ تعلیم کا مکمل طور پر بندوبست رہتا تھا اور وہ ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے نصاب تعلیم میں داخل تھی۔

چنانچہ اوجھا صاحب نے اتسنگ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اتسنگ نے اپنی مشہور تصنیف میں قدیم نصاب کا مختصر ذکر کیا ہے، عام طور پر دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے ویاکرن کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔ پھر چند چیزوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اس ورتی کو ختم کر لینے کے بعد طلبا نظم ونثر سیکھنے کی مشق شروع کرتے تھے، اور منطق ولغات میں مصروف ہو جاتے تھے"[۱۲]

یہاں منطق سے مراد علم منطق ہے۔ کیونکہ آگے لکھتے ہیں" نیائے دوانتارک شاستر (ناگارجن کی تصنیف کردہ منطق کی تمہید) کے مطالعہ نے انھیں صحیح استدلال اور جاتک مالا کے مطالعہ سے ادراک کی قوت پیدا ہوتی تھی۔ اتنا پڑھ چکنے کے بعد طلباء کو بحث ومناظرہ کی تعلیم دی جاتی تھی"[۱۲] ......

آگے چل کر ہیوگ سانگ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ ویاکرن کے فاضل ہو جانے کے بعد منتر ودیا، منطق اور جیوتش کا مطالعہ کرایا جاتا تھا"[۱۲]

گویا ہندوستان میں منطق کے ہر ہر جزو کو بڑی پابندی کے ساتھ ذہن نشین کرایا جاتا تھا۔ شعر اور بحث ومناظرہ کو تو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اس کے اندر کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اور مخالف کو کس طرح زیر کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے رموز واسرار پر واقفیت انھیں اساتذۂ فن سے حاصل ہوتی تھی۔ یہ ہندوستان کے ایسے فن رہے ہیں جن پر ایران ویونان نے برائے نام بھی توجہ نہیں دی۔ یونان کے اندر صرف شعر پر معمولی سی توجہ "ہومیرس" اور "ارخس" جیسے چوٹی کے شعراء نے اپنے کلام میں دی تھی۔ انھوں نے اپنے اشعار کو شعر منطقی کے قالب

میں ڈھال کر پیش کیا۔ جیسا کہ ابن القفطی (۶۴۶ھ) کا بیان ہے۔ وہ اومیرس کے ذکر میں لکھتے ہیں:
کان من رجال یونان الذین عالوا الصناعۃ الشعریۃ من انواع المنطق واجادھا[۱۴]
اومیرس یونان کے ان شعراء میں سے ہے جنہوں نے اپنے کلام میں منطق کی ایک قسم صنعت شعری کی طرف توجہ کی اور کامیاب رہا۔

اور ابرخس کے بارے میں رقم طراز ہیں "کان قد احکم النوع الشعری من الصناعۃ المنطقیۃ"[۱۴] کہ اس نے صنعت منطق کے نوع شعری کو مستحکم کیا۔ یونانی منطق کے ان اقسام پر عملی اقدام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان پر عمل درآمد کرنے کے لئے درس وتدریس کا سہارا لیا گیا ہو۔ اس کے برخلاف ہندوستان میں مندرجہ بالا تمام قسموں کو نصاب تعلیم میں داخل کرلیا گیا تھا تاکہ کسی بھی طرح ان کی جانب سے تساہل اور غفلت نہ برتی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں منطقیانہ شاعری اور جدل ومناظرہ کا بازار گرام رہتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے منطقی اور علمی سرمائے کا عظیم وجلیل حصہ شعر ہی کے اندر پوشیدہ ہے۔

چنانچہ رامائن اور مہا بھارت ایک زمانہ تک لوگوں کے دلوں کو مسحور کرتی رہی ہیں یہاں تک کہ خدائے سخن کالی داس، بھاس اور اشوگھوش وغیرہ نے اس میدان میں تہلکہ مچا دیا۔ مشہور ہے کہ کالی داس تشبیہات کا بادشاہ ہے۔ بھاروی لطافت معنوی میں یکتائے روزگار اور ڈنڈی محاسن شاعری میں بے نظیر، لیکن ماگھ ان تینوں اوصاف میں جامع بے مثل ہے[۱۵]

علماء ہند نے عہد قدیم اور عہد وسطیٰ پر ایک دور میں منطق کو ایک لازمی جزء کی حیثیت سے نصاب تعلیم میں داخل کر رکھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس فن میں مہارت حاصل کرنے والوں کو ڈگریاں بھی دی جاتی تھیں۔ چونکہ منطق کو عہد قدیم اور عہد وسطیٰ دونوں ہی میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور اس کی ترقی کے اسباب فراہم کئے گئے اور بہت سی شرحیں لکھی گئیں (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) اس لئے ہم نے یہاں یکجا طور پر اس کو بیان کردیا ہے تاکہ یہیں ذہن نشین ہوجائے اور آئندہ اعادہ کی ضرورت نہ پڑے۔

نالندہ کے دارالعلوم کی تاسیس ہمارے اس دور کے آخر میں عمل میں آچکی تھی، کیونکہ مشہور چینی سیاح " فاہیان " جو ۴۰۵ء اور ۴۱۱ء کے درمیان ہندوستان آیا تھا۔ نالندہ کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ اور اس کے بعد ۶۲۳ء۔ ۶۴۵ء میں آنے والے چینی بدھی سیاح ہیونگ سانگ نے اس دارالعلوم کا بڑے طمطراق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور لمبی چوڑی تفصیل اس دارالعلوم کی بیان کی ہے۔ جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ نالندہ کا یہ دارالعلوم اسی درمیان میں راجہ شکرادتیہ نے بنوایا ہوگا۔ ہیونگ سانگ کی آمد کے وقت یہ دارالعلوم اچھی طرح ترقی کرچکا تھا۔ کیونکہ اس کے بیانات کو دیکھ کر ایک بڑی یونیورسٹی کا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں دس ہزار طالب علم اور ڈیڑھ ہزار اتالیق رہتے تھے[15]

اوجھا صاحب لکھتے ہیں کہ اس جامعہ میں بودھ ادبیات کے علاوہ وید، ریاضیات، نجوم، ویاکرن اور طب وغیرہ مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی[16]۔ دوسرے دور میں یہاں کی منطق پر بحث آرہی ہے۔

خصوصیت ہندوستان کے اس دور کی خصوصیت وہی ہے جو یونانی دور اول کی اس سے پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ تقریباً ایک ہی چیز دورِ اول کے " الف " ب " اور " ج " ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ یعنی مشترک طور پر ہر جگہ کی طبیعتیں بلند پروازی کی طرف مائل تھیں۔ مجتہدانہ ذہنیت، اختراعی ذوق اور استخراجی رجحان اس دور کا خاص سرمایہ ہے۔

ہندوستان کے اندر دوسرے فرقوں کے مسائل میں تھوڑی ترمیم اور اضافہ کے ساتھ ایک الگ مکتبہ فکر تیار کرلیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں منطقی اصولوں کی کثرت کا یہی سبب ہے۔ اسی وجہ سے تمام فرقوں کے مسائل کا ماخذ گوتم اور کناد کے منطقی نظریات بتائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے اس دور کی یہ خوبی ہے کہ یہاں منطق محض علمی حیثیت سے نہیں پروان چڑھی، بلکہ اس کے ایجاد کا اصل مقصد مذہب کی تائید حاصل کرنا اور صحیح استدلال کے ذریعہ راہ نجات کو ٹھیک طریقے پر تلاش کرلینا تھا۔ یہاں کی منطق علمی اور مذہبی دونوں رنگوں میں رنگی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے تو

شاید مبالغہ نہ ہو کہ ہندوستان میں علمی منطق سے کہیں زیادہ مذہبی منطق پائی جاتی ہے۔ اس خصوصیت میں ہندوستان کا ثانی کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ اگرچہ یہ خوبی ایک حد تک ایرانی منطق میں پائی جاتی ہے پھر بھی میری رائے میں ایران، ہندوستان کی ہمسری اس جگہ نہیں کرسکتا۔

(ج) ایران

ملوک فرس کو چار طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلا فیشدادی، دوسرا کیبنی، تیسرا اشکانی اور چوتھا ساسانی۔ پہلے طبقے کے ایک حکمراں "ضحاک" ہی کے دورِ حکومت میں علوم عقلیہ کو کافی ترقی ہوچکی تھی۔ اس نے پورے ملک کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو یکجا کردیا کہ بغیر کسی ادنیٰ دشواری کے علوم کو پروان چڑھنے کا موقعہ ملے، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر علوم و فنون پر گڑ گئی۔ اس کے بعد تمام بادشاہوں نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں ارتقاء پسندی کا ثبوت دیا۔ حتیٰ کہ دوسرے طبقہ کے اندر "گشتاسپ" کے زمانے میں "زرتشت" نبی کا ظہور ہوا اور انھوں نے اپنی عجیب کتاب پیش کی۔ تو معقولیین کی شان پر زبردست ٹھیس لگی، انھوں نے اب تک جتنے انہماک کے ساتھ گلشن علم کی آبیاری کی تھی اس سے کہیں زیادہ سرگرمی دکھانے کی ضرورت محسوس کی۔ ابن ندیم رقم طراز ہیں:

فلما ملك بستاسب التبعت الكتابة فظهر زرادشت بن سبتمان صاحب شريعة المجوس واظهر كتابه العجيب بجميع اللغات اخذ الناس نفوسهم بتعلم الخط و الكتابة فزادوا ومهروا۔ جب "گشتاسپ" بادشاہ ہوا تو خطاطی کو بڑی وسعت حاصل ہوئی اور زرتشت بن سبتمان صاحب شریعت مجوس کا ظہور ہوا، اور انھوں نے اپنی عجیب کتاب تمام زبانوں کے اندر دکھائی، پھر کیا تھا، لوگ خط اور تحریر کی تحصیل میں سرگرم ہوگئے اور بہت زیادہ انہماک دکھایا اور مہارت حاصل کرلی۔

اور پھر آہستہ آہستہ ایک ایسے علم کے پتہ لگانے میں کامیاب ہوگئے جیسے وہ اوران کے

آباء شعوری یا غیر شعوری طور پر استعمال کر رہے تھے، اتنی بات ضرور تھی کہ یہ علم یہاں اس طریقے پر نہیں پہنچایا گیا، جس طرح یونان اور ہندوستان میں جانا گیا۔ کیونکہ یہاں یونان و ہندوستان کی بہ نسبت زیادہ پہلے علم منطق کا پتہ لگایا جا چکا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز جتنے ہی قدیم زمانے میں وجود پذیر ہوئی ہو، اس مقدار میں اس کے اندر خامیاں اور نقائص ہوں گے اور وہ فقط ایک نشانِ راہ کا کام دے سکے گی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل فارس کے غیر منظم اور پراگندہ اصولیاتِ منطق سے یونانیوں نے بہت فائدہ اٹھایا، اور علم منطق کی تعمیر میں خشت اول کا کام لیا۔ کیونکہ فارسیہ کی منطق نے جب دھیرے دھیرے ترقی کر کے ایسی صورت اختیار کر لی جس کو کہیں کہ اس کا ابتدائی علم حاصل ہو سکے، اور نقش اول کے طریقے پر آئینۂ ذہن میں آ سکے، تو یونان کے وفود فارس آنا شروع ہو گئے، چنانچہ فیثاغورس (۵۰۰ م تقریباً) اور دیمقراطیس (۳۵۷ ھ) نے یہاں کا سفر کیا اور قدیم فلسفہ حاصل کر کے وطن واپس گئے۔ ۱۸۶

دیمقراطیس کے بارے میں تو قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے یہیں سے علمِ منطق کی تحصیل شروع کی، اور اپنی قوتِ فکر و نظر اور جدت طرازیوں کو اس میں مدغم کر کے اسے دوسری شکل دے دی، یہ الگ بات ہے کہ ہم تک اس کی کوئی منطقی تصنیف نہ پہنچ سکی۔

اہل فارس کو علم منطق سے جو خاص شغف تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس علم کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے دو طرح کے خط ایجاد کر رکھے تھے، چنانچہ ابن ندیم (۳۸۵ھ) نے عبداللہ بن المقفع (۱۴۲ھ) سے نقل کیا ہے:

وقال ابن المقفع للفرس سبعة	ابن المقفع نے بتایا کہ فارسیوں کے یہاں سات قسم
انواع من الخطوط منها (فلانتو	کے خط ہیں ان میں سے (یہ ہے اور یہ ہے) اور ایک
فلانة) وكتابة اخرى يقال لها	دوسرا خط ہے جسے "نیم کستج" کہتے ہیں۔ یہ اٹھائیس[۲۸]
"نیم کستج" وهي ثمانية وعشرون	حروف پر مشتمل ہوتا ہے، اس سے طب اور فلسفہ
حرفا يكتب بها الطب والفلسفة	لکھا جاتا ہو اور ان کا ایک اور خط بھی ہے جسے

..... ولهم كتابة اخرى	«راس سہریہ» کہا جاتا ہے۔ اس سے منطق اور فلسفہ
يقال لها «راس سهرية»	لکھا جاتا ہے، اس میں چوبیس(۲۴) حروف ہوتے ہیں اور
يكتب بها المنطق والفلسفة	اس میں نقطے بھی ہوتے ہیں ۔ لیکن
وهي اربعة وعشرون حرفا	یہ خط ہمارے زمانے تک نہ
وفيها نقط ولم تقع الينا ۱۹	پہنچ سکا۔

غالباً یہ خط اسی وقت بھلا دیا گیا جب منطق و فلسفہ اور تمام علوم کی کتابیں دفن کردی گئی تھیں، کیونکہ انہیں ان کے نبیوں نے ڈرایا تھا کہ سکندر آئے گا اور تمہارے علم کو منائع کردے گا، چنانچہ ابن ندیم لکھتے ہیں:

كانت ملوك فارس نسخت لها على	شاہان فارس نے اپنے نبی زرتشت اور جاماسپ
عهد نبيهم زرادشت وجاماسپ	عالم کے دور میں کتابوں کو نقل کرایا اور صطخر میں
الى الم، واحرزتها هنالك (بمدينة	جمع کردیا، کیونکہ ان کے دونوں نبیوں زرتشت
اصطخر) لما كان نبيهم زرادشت	اور جاماسپ نے انھیں اسکندر والے
وجاماسب حذراهم من	حادثے سے اور اس سے ڈرایا تھا کہ وہ
فعل الاسكندر وغلبته على	ان کے ملک پر غالب آجائے گا، خاصی
بلادهم واهلاكه ما قدر	مقدار میں ان کی کتابوں اور ان کے علم کو برباد
اليه من كتبهم وعلمهم	کردے گا اور ان کے علم کو چھین کر اپنے ملک
وتحويله اياه عنهم الى بلاده	میں منتقل کرلے گا (جب اس کا فتنہ آیا) عراق سے
فدرس عند ذلك العلم بالعراق	علم کا نام و نشان مٹ گیا، اور علماء بہت تھوڑے
وتمزق، واختلفت العلماء وقلت ۲۰	سے بچے، اور آپس میں چشمکیں شروع ہوگئیں۔

ایک دوسری جگہ اس طرح رقمطراز ہیں " ثم احرق بعد فراغه من نسخ حاجته منها ما كان مكتوبا بالفارسية "۲۱ یعنی سکندر نے اپنی ضرورت بھر کی چیزوں کو نقل کرالینے

کے بعد وہ سب کچھ جلا ڈالا جو فارسی زبان میں لکھا ہوا تھا۔

قرین قیاس یہی بات ہے کہ علوم کو دفنا دینے کے بعد تھوڑا بہت علم کا رواج رہا ہوگا، منطق و فلسفہ سے لوگ شناسائی رکھتے رہے ہوں گے، لیکن اس حادثۂ عظمیٰ کے بعد ان کا سارا علمی اثاثہ لٹ گیا۔

بہر حال یہ خطہ جس وقت بھی پایا جاتا رہا ہو اس سے بہت پہلے منطق کا مکمل رواج ہو چکا تھا، لیکن ہمیں صحیح طریقے پر وہ وسائل میسر نہیں ہیں جس کی بنا پر تدوینِ منطق کا کوئی خاص وقت اور اس علم کا کوئی خاص مدونِ متعین طریقے پر پیش کیا جا سکے، لیکن قرآن کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور کیبیی بادشاہ "گشتاسپ" (جس کے زمانہ میں زرتشت ایک نبی کی حیثیت سے ظاہر ہوئے) کے عہد حکومت سے پہلے نہیں ہونا چاہئے۔

آج ہمیں یہ تفصیل بھی نہیں معلوم کہ کس قسم کی منطق یہاں پائی جاتی تھی، اس کی کتنی قسمیں تھیں، اور اس کے علماء کے نظریات اس سلسلے میں کیا تھے، ہاں اجمالی طور پر البتہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کی منطق کشفی حقائق پر مشتمل، متصوفانہ رنگ کا رنگا ہوا ایک مذہبی طرز کا علم تھا جس کا پتہ حکمۃ الاشراق اور الحکمۃ المشرقیہ میں غوطہ لگانے والا لگا سکتا ہے۔ اور یہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں منطق کو جو ترقی ہو رہی تھی وہ اگر کچھ دنوں اور باقی رہتی تو ہندوستانی منطق کو کون کہنے جائے یونانی منطق بھی اس کے سامنے ہیچ رہ جاتی، کیونکہ اس فن کو بام عروج پر پہنچانے کے لئے ایک طرف مستقل خطوں کو رائج کر لیا گیا تھا اور دوسری طرف اسے بادشاہوں کی مکمل پشت پناہی بھی حاصل تھی، جب کہ دوسری جگہوں کی منطق کو یہ سہولیات اور اسباب تقدم فراہم نہیں تھے۔

اتنی چیز جان لینے کے بعد یہ معلوم کر لینا قدرے آسان ہے کہ اشراقیت جس کا بانی عام طور پر شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول (۵۸۷ھ) سمجھا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے اس ہی دور میں قدیم حکماء فارس کے ذریعہ وجود میں آئی تھی۔ اس اشراقیت کی بنیاد نہ تو سہروردی (۵۸۷) نے

ڈالی جیسا کہ اس کے معتقدین "حکمۃ الاشراق" کے داخلی اور خارجی دلائل و قرائن سے ثابت کرتے ہیں ۔اور شیخ بوعلی سینا (۴۲۸ھ) ہی، اگرچہ ان کی "الحکمۃ المشرقیہ" اس سلسلے کی زبردست تصنیف ہے جس کو ایرانی و یونانی منطق و فلسفہ میں مکمل دسترس حاصل کر لینے کے بعد لکھا گیا ہے (یہ تحقیق کی رو سے ضائع ہو چکی ہے ۔ لیکن اس کا منطقی حصہ اب بھی موجود ہے اور شائع ہو چکا ہے) اور "الانصاف" ایک ضخیم تصنیف اور دونوں کتابوں کا اہم ترین محاکمہ ہے جس کے اندر ایرانی اور یونانی نظریات کا جائزہ لیکر فیصلہ کیا گیا ہے ۔ ان دونوں ہی نے انھیں نظریات کو پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں جو قدیم حکماء ایران کے تھے، اور انھوں نے جو منطق پیش کیا ہے وہ یونانی اور ایرانی منطقی اسالیب کا مجموعہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں جگہ کی منطق پر پوری قدرت حاصل کر لینے کے بعد اسے تحریر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی مفصّل بحث برہان جون ۱۹۶۰ء یا ستمبر ۱۹۶۰ء کے شماروں میں ملے گی۔

میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ اشراقیت ہمارے اس دور میں بھی موجود تھی جس سے ایرانی منطق کا استنباط ہوا، اور اس کو مرتب شکل میں پیش کیا گیا، لیکن اس کا ادنیٰ حصہ بھی ہم تک نہ پہنچ سکا، کیونکہ سکندر مقدونی نے کچھ کو تو اپنے ملک بھجوا دیا تھا، اور بقیہ کو نذر آتش کر دیا تھا، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس حادثہ کے بعد لائق اہل علم نہ پیدا ہوئے جو اپنی قوت فکر اور کچھ بچی کھچی کتابوں سے ایک نئے طرز کی منطق مرتب کر ڈالتے۔

خصوصیت | منطق کو کسی بھی قوم نے ابھی مرتب نہیں کیا تھا کہ یہاں کی منطق مرتب شکل اختیار کر چکی تھی۔ موجدین اور مخترعین نے ایران میں ایک ایسی منطق کے استخراج میں کامیابی حاصل کر لی تھی جو وہاں کے انکشافانہ ماحول کے مطابق تھی۔ اور ایسا لگتا ہے کہ یہاں اس دور کی منطق کو ایک حد تک مذہب سے ملنے کا بھی موقع مل گیا تھا۔ لیکن اس کے باوصف ایرانی منطق میں وہ قوت نہیں تھی۔ جو دوسروں جگہوں کی منطق میں تھی۔

حوالہ جات

ملا اور شہرستانی نے ملل و نحل ج ۲ کے آخری صفحہ پر اجمال کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

۲ یہ مفصل طور پر رسائل ارسطو طالیس الی الاسکندر میں ملے گا جس کا ذکر شہرستانی نے ملل ونحل ج ۲ کے آخر میں اور ابن ندیم نے الفہرست ص۳۵۱ میں کیا ہے۔

۳ قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب ص۱۰۶ مصنف رائے بہادر اوجھا۔

۴ قرون وسطیٰ ص۱۰۶

۵ قرون وسطیٰ ص۱۰۶ اور قدیم ہندوستان کی تہذیب کا مقدمہ مترجم ص

۶ قرونِ وسطیٰ ص۱۰۳

۷ قدیم ہندوستان . . . کا مقدمہ مترجم ص لج

۸ ماخوذ از قرون وسطیٰ . . . و قدیم ہندوستان . . . . کا مقدمہ مترجم

۹ قرون وسطیٰ . . . ص۱۰۴

۱۰ قدیم ہندوستان . . . . کا مقدمہ مترجم ص ب، ج

۱۱ قرون وسطیٰ . . . ص۱۷۶، ۱۷۷

۱۲ " ص۱۷۸

۱۳ اخبار الحکماء ص۴۹

۱۴ " ص۵۱

۱۵ قرون وسطیٰ . . . ص۸۰

۱۶ " ص۱۷۵

۱۷ الفہرست لابن ندیم ص۱۹

۱۸ تاریخ الفلاسفہ ص۵۳، ۶۸

۱۹ الفہرست ص۲۱، ۲۲

۲۰ " ص۳۴۳

قرآن اور تصوف

مؤلفہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے

تصوف اور اس کی تعلیم کا اصل مقصد عبدیت اور الوہیت کے مقامات کا تعلق اور ان کے ربط و تعلق کا حصول ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی ذلتوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے۔ مؤلف نے کتاب وسنت کی روشنی میں تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دل نشین اور عالمانہ پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ صفحات ۱۸۰ تقطیع متوسط، طبع آفسٹ

قیمت 5/- مجلد 7/- ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی